عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی !!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
شعبان ۱۴۲۷ھ / ستمبر 2006ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانی

مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ،
بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

Reg No: P 476

جلد پنجم

شمارہ: ۱

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

خط و کتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس، پشاور

ای میل:<<< mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْن

(مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

شان کہتے ہیں حالت کو۔ ایک کیفیت کو بھی شان کہتے ہیں خداوند قدوس انسانوں کی شانوں سے وراء الوراء ہے۔ خداوند تعالیٰ کی کوئی بھی شان انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ قرآن میں جو شان کا لفظ آیا ہے۔ وہ صرف ہمارے سمجھانے کے لئے آیا ہے۔

لَیسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۱۱)

''کوئی چیز اُس کے مثل نہیں'' (معارف القرآن)

خداوند پاک کی ذات عالی ہر اس شان سے بری ہے۔ جو انسان کی سمجھ میں آ سکے۔ اس کی شانیں ایسی ہیں کہ نہ خیالوں میں آ سکتے ہیں نہ وہم اور تصور میں آ سکتے ہیں۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وھم
ہر چند گفتہ ایم وشنیدہ ایم و خواندہ ایم

ترجمہ: اے وہ ذات جو خیال، قیاس، گمان اور وہم سے برتر ہے اور جو کچھ ہم نے کہا ہے، سنا ہے اور پڑھا ہے اس سے بھی اوپر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہر دن اُن کی ایک شان ہوتی ہے۔ خدا کے شیون بدلتے رہتے ہیں۔ گو کہ اس کی صفات کی حقیقت جو ازل میں تھی وہ ابد تک رہے گی۔ مثال کے طور پر دریا بہہ رہا ہے، اٹک میں شمال سے جنوب کی طرف بہہ رہا ہے۔ بعض اوقات جنوب کی طرف سے تیز ہوا چلتی ہے۔ تو دریا میں اوپر کی سطح پر جو لہریں ہیں وہ جنوب سے شمال کی طرف بہتی معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں نیرنگی کے باوجود یک رنگی ہے۔ ظاہر کے لحاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رحم فرما رہے ہیں، اس وقت عطا کر رہے ہیں اور اس وقت قہر فرما رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی یہ صفات دائمی ہیں۔ اور اللہ کی یہ صفات ابد تک رہیں گی۔ یہاں شان سے مُراد یہ ہے۔ کہ ہمارے ساتھ معاملات کے رُخ

سے خدا کی شان ہر ایک کے ساتھ مختلف اوقات میں علیٰحدہ علیٰحدہ ہوتی ہے۔ ان کا معاملہ ہمارے رُخ سے ہے۔ خدا شیون کی رنگارنگی سے یک رنگ ہے۔ یہاں اللہ پاک انسانوں کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کے اعمال کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًاO وَّ اَکِیْدُ کَیْدًاO (الطارق:۱۵،۱۶)

ترجمہ: یہ لوگ (نفی حق کے لئے) تدبیریں کررہے ہیں اور میں (اللہ) بھی (ان لوگوں کی ناکامی کے لئے) تدبیریں کررہا ہوں۔ (معارف القرآن)

انہوں نے تدبیر کی تو اللہ پاک نے بھی تدبیر کی، اللہ پاک انسانوں کے ساتھ اس لغت میں بات کرتے ہیں جس سے انسان سمجھ جائے۔ اللہ پاک انسانوں کے ساتھ ایسی گفتگو میں مخاطب ہوتے ہیں جو انسانوں کے ذہن کے مطابق ہو۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

"بہر پسر پدر طی طی کند"

یعنی باپ اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ طی طی کرتا ہے۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ بڑے ہمیشہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ اس گفتگو سے مطلب یہ نہیں کہ اللہ پاک کی شانیں بدلتی رہتی ہیں۔ خدا کا معاملہ اور برتاؤ انسانوں کے ساتھ ان کے اعمال اور معاملات کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات ہر آن ایک نرالی شان میں ہوتی ہے۔ کبھی عطا کی بارش کی، کبھی روک لیا، کبھی قبض کی حالت طاری کی اور کبھی بسط کی حالت طاری کی۔ اللہ کی تجلیات و کیفیات کی نیرنگی انسانوں کے معاملات کے مطابق ہوتی ہے۔ شیون اللہ کی صفات کی نیرنگیاں ہیں۔ اللہ کی صفات بے نہایت ہیں۔ کبھی رحیمی کا ظہور، کبھی کریمی کا ظہور۔ کبھی ان کے خلاف کا ظہور۔ اللہ کی صفات کے ان مختلف ظہوروں کو شان کہتے ہیں۔

ہر لحظہ شان حسن بدلتی رہی جگر ؎
ہر آن ایک جہان دگر دیکھتے رہے

☆☆☆☆☆☆☆

جذبۂ محبت

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

نوٹ: اس مجلس کے شروع میں جناب ندیم صاحب نے دو نعتیں پڑھیں۔ ندیم صاحب اکنامکس کے لیکچرار ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں نعت خوانی کے آل پاکستان مقابلوں میں پہلی پوزیشن حاصل کئے ہوئے ہیں۔ آج کل صرف سلسلہ کے لئے ہی نعت خوانی کرتے ہیں۔ اس کی بعد کی مجلس اسی تاثیر میں ڈوبے ہوئے حال میں ہوئی۔ پورا مجمع ایک کیفیت سے مخمور تھا۔

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہٖ الکریم

حضور ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ کو منبر پر بٹھاتے تھے وہ حضور ﷺ کی شان میں قصیدہ پڑھتے تھے۔ اور اشعار پڑھتے تھے اسلام کی تائید میں۔ آپؐ دعا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سے تیری تائید کرے اور فرماتے تھے کہ ان کے اشعار کفار کے لئے تیر ہوتے ہیں۔

کلام مجلس میں کبھی کبھی پڑھاتے ہیں وہ بھی جب ندیم صاحب آجائیں۔ پشتو والے ہمارے شاعر جو تھے (مسکین نصر اللہ جان) اُن کی وفات ہوگئی اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اُن کے درجات کو بلند فرمائے۔ اُن کے بعد اُس معیار کا پشتو والا کوئی نعت خوان آیا ہی نہیں۔ اُس کے بعد پشتو کا کلام پڑھنا ہی بند ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ندیم صاحب کو زندگی دے کبھی کبھی آجاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر جو قوتیں رکھی ہیں اِن میں ایک قوت محبت کی ہے۔ جس طرح موٹر گاڑی ہوتی ہے اُس کی فرسٹ گیئر، سیکنڈ، تھرڈ اور فورتھ گیئر ہوتی ہے اور ایک ٹاپ گیئر ہوتی ہے۔ اب ہر گیئر کے لئے اپنی اپنی رفتار ہوتی ہے۔ ٹاپ گیئر کی رفتار فرسٹ گیئر میں نہیں ہوتی ہے۔ تو اس طرح انسان کے اندر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے استعدادیں اور قوتیں رکھی ہیں اور ان قوتوں میں ایک قوت محبت کی ہے۔ اور اس کا مادہ کم زیادہ ہر انسان کے باطن اور قلب میں ہوتا ہے۔ باقاعدہ جدید تحقیقات کے تحت اُس کے ساتھ متعلقہ Enzymes اور Hormones ہوتے ہیں۔ جس

کی وجہ سے اس جذبے کا احساس باطن میں ہوتا ہے۔ بعض آدمیوں میں بہت کم ہوتا ہے، بعض میں زیادہ ہوتا ہے اور بعض سراپا جذبہ ہی جذبہ ہوتے ہیں۔ تو یہ بہت بڑی قوت بہت بڑی توانائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر رکھ دی ہے۔ اس جذبے کا استعمال ہے، استعمال درست ہو جائے تو ایسا آدمی بہت بڑے کارنامے سرانجام دیتا ہے اور استعمال اگر غلط ہو جائے تو اس کے نتیجے میں انسان کی یہ قوت ضائع ہو جاتی ہے اور اس سے آدمی کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ جو بڑا ڈاکو بنا ہوا ہے اُس کے اندر بڑا جرنیل بننے کی استعداد تھی لیکن تربیت غلط ہوئی جس کے نتیجے میں بجائے بڑا جرنیل بننے کے بڑا ڈاکو بن گیا اور اُس کی جرأت، شجاعت، حوصلہ اور دل کی قوت اُس میں استعمال ہوگئی۔

ایسے ہی محبت کی قوت ہے۔ بعضے مجازی محبت کی داستانیں بزرگوں نے لکھوائی ہیں۔ وہ اس لئے لکھوائی ہیں، چونکہ مجاز ایسی چیز ہے جس کو آدمی دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے اور اُس کے واسطے سے حقیقت کو آدمی پہچان سکتا ہے۔ فارسی کی ایک کتاب ہے 'یوسف زلیخا'، عبداللہ صاحب (شیخ الحدیث شاہی مدرسہ چترال) یوسف زلیخا پڑھی تھی آپ نے؟ (اُنہوں نے نفی میں جواب دیا۔ نصاب میں نہیں تھی اُس وقت۔) اور ایک کتاب ہے قیسِ عامری کی، مجنون کے نام سے مشہور ہے۔ قیسِ عامری کا پورا دیوان ہے عربی میں۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کبھی کبھی اس کے اشعار سنایا کرتے تھے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس میں درجہ بہ درجہ فنا کی ساری منزلیں طے ہوئی ہوئی ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے لیے طے نہیں ہوئی ہوئی ہیں، وہ لیلیٰ کے لیے طے ہوئی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ہیر رانجھا کی داستان ہے اور بھی کئی داستانیں ہیں۔ ہیر کا تو باقاعدہ میلہ ہوتا ہے، یہ حضرت وارث شاہؒ ایک بزرگ ہیں ان کی لکھی ہوئی ہے۔ واقعی بڑی زبردست اُس میں کیفیت اور تاثیر ہے۔ 'سیف الملوک' کشمیر کے ایک بزرگ ہیں میاں محمد صاحبؒ ان کی لکھی ہوئی ہے۔ میرے پاس بھی ہے، زبردست تاثیر ہے اُس کی، عجیب وغریب ہے، پنجابی میں ہے۔ 'سیف الملوک' میں اتنی روانی ہے جیسے اُونچائی کی طرف سے نیچے بہنے والا دریا ہو۔ اِس دور میں میری پڑھی ہوئی ہے اور اِس عمر کی پڑھی ہوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ شکر ہے کہ بچپن میں ہم نے اقبال کی اردو، فارسی شاعری کو پڑھ لیا تھا جو یاد رہ گئی ہے۔ اقبال ہمارے پہلے شعراء کا متبادل ہوا

ہے۔اُس نے خود کہا ہے:

ے ما از پئے سنائی وعطار آمدیم

کہ سنائی وعطار کے بعد میں آیا ہوں۔واقعی اس کے کلام نے کمال کیا ہے۔

تو قصہ مجنون کی داستان کا تھا،مجنون کی داستان میں لکھا ہوا ہے کہ جب وہ مکتب میں پڑھتا تھا تو یہ دونوں بچے اکٹھے بیٹھتے تھے۔اُستاد نے لیلیٰ کی پٹائی کی۔جب مجنون گھر پر آیا تو اس کے بدن پر پٹائی کے نشانات پڑے تھے یعنی یک جان دو قالب ہو کر اس نے اتنا محسوس کیا اُس کو کہ گویا اس کے بدن پر یہ ضربیں آرہی ہیں اور یہ بچپن میں اس کو محسوس ہوا۔یہ تو میں نے کسی کتاب میں پڑھا۔حضرت مولانا صاحبؒ نے اس بات کو سنایا کہ مجنون اس بہانے اُس کے گھر گیا کہ اُس سے آگ لے کر آئے کیونکہ کافی دیر اس کو دیکھے بغیر گزری تھی۔دل میں بہت پریشانی،بہت اضطراب اور بے چینی ہوگئی تھی۔اُس نے آگ اس کے برتن میں ڈالی،عربوں کے لمبے کپڑے ہوتے تھے۔انگارہ گرا اس کے کپڑے پر،تو لیلیٰ نے کہا کہ آپ کی آستین کو آگ لگ گئی ہے،وہ کہہ رہی ہے،اس کو دھیان نہیں ہو رہا ہے،وہ محو ہو چکا ہے۔جب بار بار کہا تو اس نے کہا کہ آستین کی آگ کو تو دیکھتی ہے،دل کی آگ کو تو نہیں دیکھتی ہے۔یہ چترال کے اجتماع کی جو روداد لکھی ہے اس میں مَیں نے کچھ اشعار لکھے ہیں۔

ے بادل برسے ہر کوئی جانے
آنکھیں برسے کوئی نہ جانے
دل کی لگی کو دل ہی جانے

حضرت مولانا صاحبؒ نے سنایا کہ جب اس کا والد صاحب بہت پریشان ہوا کہ بچہ بہت خراب ہو گیا ہے۔اس کا میں کیا کروں۔کسی آدمی نے کہا کہ آدمی جب بیت اللہ شریف جاتا ہے اور پہلی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے تو اس وقت جو دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔تو اس کو لے گئے،اس کو سمجھایا کہ دیکھو جب بیت اللہ شریف پر تیری نگاہ پڑے تو فوراً اس وقت دعا مانگنا کہ یا اللہ!میں توبہ کرتا ہوں لیلیٰ کی محبت سے،تا کہ وہ تیرے دل سے نکلے اور تیرا علاج ہو جائے۔تو جب گئے اور بیت اللہ

شریف پر نگاہ پڑی تو اس نے پھر عربی کے اشعار پڑھے ہیں:

ے اِلٰھی تُبتُ مِن کُل المَعَاصِی وَلٰکِن حُبِّ لَیلیٰ لا اَتُوبُ

کہ یا الٰہی! میں نے سارے گناہوں سے توبہ مانگ لی، لیکن لیلیٰ کی محبت سے میں توبہ نہیں کرتا ہوں۔ تو یہ تدبیر ان کی ناکامیاب ہوگئی۔ یہ نجد کے علاقے کے رہنے والے تھے اور یہ ۶۱ ہجری کا آدمی ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت امام حسینؓ کا قافلہ جب گزر رہا تھا تو قیسِ مجنوں اُس وقت راستے میں بے ہوش پڑا تھا۔ قافلہ میں ایک آدمی کی اُونٹنی کا نام لیلیٰ تھا۔ اُس آدمی نے اُونٹنی کو آواز دی ہے تو اس پر یہ ہوش میں آکر، بیدار ہو کر بیٹھا ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے تھے کہ دوسری تدبیر یہ بنائی کہ ایک کالی بکری لی جائے اور اس کو ذبح کیا جائے اور پورا سالم پکایا جائے اس بکری کو۔ جب پکایا جائے تو اس کا دل نکالا جائے وہ اس کو کھلایا جائے تو اس کا علاج ہو جائے گا۔ ایک عورت کو دیا پکانے کے لیے، عورت نے پکایا اس کو، پکانے کے بعد دل ڈھونڈنے لگے کہ دل نکال لیں اور اس کو کھلایا جائے۔ تو عورت اتنی ہوشیار تھی کہ اُس نے سوچا کہ اگر دل میں ہی کھالوں تو کسی کو کیا پتہ چلتا ہے پوری بکری میں۔ ڈھونڈا گیا، ڈھونڈا گیا لیکن دل نہیں مِلا، جب دل نہیں مِلا تو اس پر قیس نے چھلانگ لگائی، ناچا اور شعر پڑھا:

کیف تداوی شاۃ قلبہ لیس لہ قلب

کہ وہ بکری کسی دل کا کیا علاج کرے گی جس کا اپنا دل ہی نہیں۔ اس کے بعد ہوش و حواس مکمل اُڑے اور فنائے کلی ہوا، فنائے کلی میں کیا ہوتا ہے؛

ے میں میں نہ رہوں، تو تو نہ رہے ایک دوسرے میں کھو جائیں

پھر اس نے ایک شعر کہا ہے:

ے انا لیلیٰ ولا لیلیٰ سوائی

کہ اب تو میں خود ہی لیلیٰ ہو گیا اور میرے سوا لیلیٰ ہے ہی نہیں۔ اس علاقے کے سردار نے سنا کہ قیس کو ایک عورت کی محبت ہوئی ہے، بڑا عالم ہے، بڑا شاعر ہے، اس کے پیچھے دیوانہ ہوا ہے تو سردار کو بڑا شوق

ہوا کہ اس کو دیکھنا چاہیے۔گلستان میں حضرت شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے۔وہ آیا اور دیکھا تو اس نے کہا قیس سے،تو اتنا سمجھ دار آدمی ہے اور تو نے اپنے آپ کو پاگل کیا ہوا ہے ایک عورت کے پیچھے۔اس میں کیا اتنی خوبصورتی ہے۔تو اس نے کہا کہ ''حیف تو مجنون نیستی'' افسوس کہ تو مجنون نہیں ہے، ورنہ تجھے پتہ چل جاتا۔

تو عرض کرر ہا تھا کہ محبت ایک جذبہ ہے،ایک قوت ہے جو صحیح استعمال ہو جائے تو ٹاپ گیئر لگتی ہے آدمی کو،اور پھر اس کی سپیڈ اور رفتار کے کیا کہنے۔اس جذبے کو سنبھال کر اور بچا کر صحیح استعمال کرنا ہوتا ہے۔زندگی کا خلاصہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کہ اس محبت کو خاص کرنا ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ، اس محبت کو خاص کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باکمال کے ساتھ۔اگر محبت میں غلبہ ذاتِ الٰہی کی محبت کا ہو گیا تو اس سالک کو فنافی اللہ کہتے ہیں اور اگر یہ جذبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے خاص ہو گیا اور اس میں فنا ہو گیا تو اس کو فنافی الرسول کہتے ہیں۔تو فنافی الرسول بھی ایک انعکاسی فنافی اللہ ہے جو براہ راست نہیں ہے لیکن عکس ہے کہ آئینہ میں عکس آرہا ہے اصل ہی کا آرہا ہے۔اس لیے فنافی الرسول بھی حقیقت میں فنافی اللہ ہی ہے۔اور کسی آدمی کا یہ جذبہ خاص ہو جاتا ہے جہاں اس کا بیعت کا تعلق ہے اپنے شیخ کے ساتھ،تو اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں،تو یہ بھی دراصل دو عکسوں سے گزر کر فنافی اللہ ہے۔ایک ڈاکٹر اہلحدیث ہو گیا تھا اُس نے بندہ سے کہا کہ یہ کیا بات ہے فنافی اللہ،فنافی الرسول،فنافی الشیخ۔فنافی الرسول کیا ہے؟،فنافی الشیخ کیا ہے؟ اُس سے جب میں نے یہ تشریح کی کہ فنافی اللہ،فنافی الرسول،فنافی الشیخ اسے کہتے ہیں۔تو اس نے کہا اس طرح تو ٹھیک ہے،دراصل وہ توحید کے اس طرح قائل تھے جیسے حکیم الامت،مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کو توحید کا ہیضہ ہو گیا ہے۔سبحان اللہ!

تو محترم بھائیو اور دوستو! یہ جذبۂ محبت تربیت پاتا ہے اور خاص ہوتا ہے،اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خاص کیا اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باکمال کے لیے۔حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ نے حکایات صحابہ میں اس پر پورا باب لکھا

ہے، ''صحابہ کرامؓ کی محبت کے واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ''۔ حضرت زاہد الحسینی صاحبؒ نے اپنی کتاب ''با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) با وقار'' میں پورا ایک باب اس موضوع پر لکھا ہے، اور بھی بزرگوں نے اس کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ ایک صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس وقت آپ مجھے یاد آتے ہیں، میں اگر آ کر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان اس بات کا ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی، وفات کے بعد تو آپ اُونچے درجوں پر چلے جائیں گے ہم وہاں پہنچ نہیں سکیں گے تو آپ کی زیارت کے بغیر ہمارا وقت کیسے گزرے گا؟ اس طرح کئی صحابہ کرامؓ کے واقعات حضرت شیخؒ نے لکھے ہوئے ہیں۔ ان سب واقعات کے جواب میں ایک آیت نازل ہوئی ہے،

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النساء: ۶۹، ۷۰)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی (جنت میں) اُن حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے (کامل) انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء (علیہم السلام)، اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے دوست ہیں۔ یہ (رفاقت) فضل ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔

تو محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اس کے رنگ میں رنگ جائے اور اُسکا ہو جائے، اس کی ہر چیز اس کو پسند آتی ہو، بھاتی ہو۔ اس کی ساری ادائیں، سارے طریقے، ساری باتیں آدمی اپنا لے۔ پھر اس پر آدمی کسی کو ترجیح نہیں دیتا، اُس کو سب پر ترجیح دیتا ہے۔

؎ چُن لیا میں نے تجھے سارا جہاں رہنے دیا
پیار نہ کرنا یہ دل کہتا رہا کہنے دیا

؎ تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

؎ فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب
که حیف باشد از اُو غیراو تمنائے

ترجمہ: ملاقات اور جدائی کیا چیز ہے دوست کی رضا طلب کرو کیونکہ اُس سے سوائے اُس کے کسی غیر کی تمنا کرنا بہت افسوس کی بات ہے۔

غزوہ تبوک کا چندہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیا تو فقط ایک گٹھڑی تھی جس کو سر پر اُٹھا کے لائے تھے کیونکہ حالت فقر اور تنگدستی کی تھی، سب کچھ لُٹا دیا تھا، سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ ایک تہائی لشکر کا خرچہ لے کر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد اگر عثمانؓ کوئی عمل نہ کرے تو اس کے لیے کافی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ آدھا مال لے کر آئے، تو ان سے پوچھا کیا لے کر آئے ہو۔ پھر اللہ کے یہ بندے حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے جن کا مال ایک گٹھڑی تھا اس کو سر پر لائے، ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے ببول کے کانٹوں سے بند کیے ہوئے آگے گریبان کو۔ ان کا سوال پھر صدیقیت کا سوال تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اُن سے کہا کہ کیا چھوڑ کے آئے ہو، کیا لے کر آئے ہو نہیں کہا، کیا چھوڑ کے آئے ہو، وہ سب کچھ لے آئے تھے اپنے پہننے کے کپڑے بھی لے کے آئے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، وہ ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے ببول کے کانٹوں سے اس کو سیا ہوا۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آج عرش سے لے کر فرش تک سارے فرشتے اس لباس میں ہیں، کیونکہ ابوبکرؓ صدیقؓ کے اعزاز میں یہ لباس پہنا گیا ہے۔ ان سے کہا کہ کیا چھوڑ کے آئے ہو یہ نہیں کہا کہ کیا لے کے آئے ہو۔ انھوں نے کہا:

؎ پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

؎ کاواں کھائیو سارا بدن، چن چن کھائیو ماس
پر یہ دو نیناں نہ کھائیواناں پیا ملن دی آس

مجوسیوں میں ایک طریقہ ہے کہ مردے کو دہی مل کر دخنہ کنواں ہوتا ہے اس کے طاق میں رکھ

دیتے ہیں۔ پرندے آکراس کا گوشت نوچ لیتے ہیں، اس کی ہڈیاں کنویں میں گرجاتی ہیں۔ یہ کوئی مجوسی شاعر ہے جو مرنے کے بعد اپنی دخنے میں رکھی ہوئی لاش کے بارے میں پرندوں کو کہہ رہا ہے کہ میرے بدن کے سارے گوشت کو نوچ لینا اور کھالینا لیکن دیکھو خیال کرنا میری ان دو آنکھوں کو نہ کھانا کیونکہ ان کو ابھی بھی دوست کے ملنے کی تمنا اور آس لگی ہوئی ہے۔ ہمارے سلسلہ کی ایک عظیم شخصیت بابا فرید گنج شکرؒ ایک خاص قسم کا چلہ کاٹ رہے تھے، دورانِ چلہ ذکر میں اتنی محویت ہوتی تھی کہ پرندے آکر ٹھونگیں مار کر اُن کا گوشت نوچتے تھے، جس پر آپ یہی شعر پڑھتے تھے۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ سوائے اس دید کے کوئی جذبہ ہی باقی نہیں رہتا۔ جنت کی نعمتیں عطا ہے، لقاء ہے، رضا ہے۔ رضا تو ایک بار اعلان ہوکر ہو جائے گی۔ لقاء دائمی رہے گی۔ عطا جنت کے کھانے پینے، جنت کے نغمے، جنت کے باغات، اس کے پرندے، جنت کے پھول پھلواریاں، چشمے، بہتی نہریں، حور وقصور، ان کا حسن و جمال، ان کی کشش ہے یہ تو عطا ہے اور لقاء جو ہمیشہ باقی رہے گی یعنی دیکھنا، دید۔ وہ جو دنیا میں اللہ کی ذاتِ ذوالجلال کے دھیان اور تصور میں سراپا دید ہو جائیں اُن کے لیے جنت کی نعمتوں میں سے دید کی نعمت کو دائمی کیا جائے گا۔ اقبال نے جو کہا ہے:

ے

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادۂ وجام سے گزر
تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دولت دے دے تو یہ دنیا ہی جنت ہے۔ فرمایا گیا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ (الرحمٰن:۴۶)

ترجمہ: اور جو کوئی اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرا اُس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہیں۔ (معارف القرآن)

ایک اجازت یافتہ ساتھی نے خط لکھا کہ پیشہ ایسا ہے کہ عورتوں کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے اور

کبھی کشش ہو جاتی ہے۔اس کا علاج کیا کیا جائے؟ میں نے ان کو لکھا؛

حُوْرٌ عِیْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ o جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o (واقعہ: ۲۲ تا ۲۴)

ترجمہ: اور اُن کے لئے گوری گوری، بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ اُن کے اعمال کے صلہ میں ملے گا۔ (حضرت اشرف علی تھانویؒ)

دوسرا اس کا جواب یہ تھا،

دنیا کسی کے پیار میں جنت سے کم نہیں
اک دلربا ہے دل میں حوروں سے کم نہیں

دلربائے حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا دھیان، جنت اور اُس کے حور و قصور کے لطف سے کہیں زیادہ ہے۔

لونڈ خوڑ کے مدرسے میں علماء سے بیان میں مَیں نے کہا کہ سماع ڈھول باجے والا تو جائز نہیں ہے، کل کوئی بریلوی گدی نشین آئے تھے مسئلے میں پھنس گئے تھے، ان کو اندازہ ہوا کہ اب نکلنا مشکل ہے گدی سے نہیں ہوسکتا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ آپ سماع سنتے ہیں تو میں نے کہا کہ ہم کلام والا سماع سنتے ہیں اُسی کو برداشت نہیں کرسکتے، جان نکلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ باقی سماع کے سننے کی طاقت ہی نہیں ہوتی، وہ کہہ رہے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کی شادی نہیں ہوئی تھی، تو ان سے میں نے کہا جو کیفیاتِ وجد اصحابِ چشت کو بوقتِ سماع ہوتی ہیں ان کی کشش دس شادیوں سے زیادہ ہوتی ہے اگر کوئی سالک شادی سے پہلے جوانی میں بحالتِ سماع شیخ کی نظر میں آجائے تو اس کے سارے قویٰ Harmones,Enzymes اِدھر سے اُدھر ہو جاتے ہیں۔ بس اس کا اتنا مزہ ہوتا ہے کہ پھر اس کو کسی چیز پر قربان نہیں کرسکتا، وہ پھر ایسا ہوتا ہے کہ:

اک دلربا ہے دل میں حوروں سے کم نہیں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

ے
اللہ اللہ کن کہ تا اللہ شوی ایں سخن حق است واللہ مے شوی

ترجمہ: اتنا اللہ اللہ کرو کہ بس اللہ اللہ ہی ہو جائے، یہ سچی بات ہے خدا کی قسم ایسے ہو جاتا ہے۔

ہم ایک دفعہ ایک خانقاہ میں گئے۔ بڑے بزرگ جو تھے ان کے ایک خلیفہ تھے۔ وہ خلیفہ بوڑھے آدمی تھے ان کا طریقہ تھا کہ لوگوں کی پٹائی کرتے تھے مجسٹریٹ، ڈپٹی کمشنر اور سیکرٹری صاحبان ان سے پٹائی کراتے تھے۔ واقعی جن کی پٹائی انھوں نے کی ہے بعد میں اُن کی بڑی بڑی پروموشنیں ہوئی ہیں۔ ہر ایک کی پٹائی کرتے تھے، ہم نے کہا کہ حضرت سے ہم بھی مصافحہ کر لیں لیکن بہر حال پٹائی سخت کرتے ہیں اور ہماری تو اتنی صحت بھی نہیں ہے اور مار کھانے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ تو میں بھی ان سے مصافحہ کرنے کے لیے آگے گیا تو کسی نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا صاحبؒ کے تعلق والا ہے، تو اللہ کی شان ہماری پٹائی نہیں کی۔ پشتو میں کہا کہ ''دے دہ شپے مستی کئ، دے دہ شپے مستی کئ'' یہ رات کو مستی کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ جہری ذکر جو چشتیہ کا ہے یہ رات کی مستی ہے۔ ایک دوسرے مجذوب بزرگ کے پاس میں گیا تو لوگ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ان سے کہا کہ ''دے دہ شپے ڈھپڑئی غگئ'' یہ رات کو طبلہ بجاتا ہے۔'' واقعی یہ جہری ذکر جو ہمارا ہے کچھ عرصہ بعد آدمی کو دل بجتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پھر رگ رگ بجتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور واقعی اس کی گرمی کو آخر میں ہڈی کا گودا محسوس کرتا ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کا شعر ہے:

ے
نام ان کا اور جاں کے ساز پر
ہر رگِ جاں سازِ الا اللہ ہے

جہری ذکر میں ایک کیفیت ہوتی ہے سلطان الاذکار۔ اس میں انسان لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو باقاعدہ محسوس ہوتا ہے کہ رگ رگ، ہر اک بال بلکہ پورے بدن سے الا اللہ کی آواز شروع ہو جاتی ہے۔ 'تربیت السّالک' میں حکیم الامّت، مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کئی مریدوں نے اس بات کو لکھا ہے کہ ہمیں دورانِ ذکر یہ حال محسوس ہوا، تو آپ نے فرمایا، مبارک ہو یہ سلطان الاذکار ہے۔

اصلاحی بیان

(حضرت مولانا مفتی شاہجہان صاحب، مہتمم جامعہ نعمانیہ، کوہاٹ روڈ، پشاور)

خطبہ ماثورہ:

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق:۱۸)

وَعَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَنْ صَمَتَ نَجَا

وَعَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اِذَادَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِالْجَنَّۃَ فَیَقُوْلُ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃ!فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْک رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَلْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ھَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَالَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبَّنَا وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اَلاَ اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُوْنَ اَیَّ شَیْئٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِک فَیَقُوْلُ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اَحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلاَاَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا اَوْکَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلاَمَ.

میرے محترم سامعین! یہاں پر آپ کے سامنے کچھ کہنا تو میں بے ادبی سی سمجھتا ہوں، لیکن بڑوں کا حکم اَلاَمْرُ فَوْقَ الاَدَبْ کے تحت آپ کے سامنے کچھ گزارشات عرض کروں گا، ہمارا اور آپ کا یہاں جمع ہونا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ہمارے اندر آجائے اور پوری انسانیت کے اندر آجائے، یہ ایک فکر، ایک درد اور ایک غم ہے اس میں ہم اور آپ جمع ہوئے ہیں۔ یہ فکر اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی قابل قدر ہے، بہت بلند مرتبہ ہے اس کا، حدیث پاک میں آتا ہے لَغَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْرَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا اَوْکَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلاَمَ ،اللہ تعالیٰ کی دین کے لیے ایک صبح یا ایک شام لگا دینا، دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دنیا کے اندر مختلف چیزیں ہیں سونا ہے، چاندی ہے، ہیرے ہیں، جواہرات ہیں، اسی طریقے سے سمندر ہیں جنگلات ہیں، سائنسی ایجادات ہیں ساری ان کے اندر داخل ہیں۔ تو دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے ان سب سے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ایک صبح ایک شام لگا دینا یہ اللہ تعالیٰ کے

ہاں بہتر ہے تو گویا کہ ہم اور آپ اتنے قیمتی کام کے لیے آئے ہیں کہ دنیا و مافیہا سب سے بہتر کام کے لیے جمع ہوگئے ہیں، لیکن یہاں پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے ان ساری چیزوں کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں، حدیث پاک میں آتا ہے لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا عِنْدَاللّٰہِ تَعْدِلُ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ لَمَا سَقٰی کَافِرًا شِرْبَۃً اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامَ ، اگر دنیا کی قدر و قیمت، دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر ہوتی تو اللہ جل شانہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا، تو اس پوری دنیا کی تو کوئی حیثیت ہے ہی نہیں، اللہ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں اور ایک حدیث میں آتا ہے اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ دنیا مردار ہے، طلب کرنے والے اس کے کتے ہیں، اتنی گھٹیا چیز، اتنی خفیف چیز، اس سے بہتر ہونے کا کیا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ایک صبح یا ایک شام لگا دینا اس کا تو کسی ایسی چیز سے اچھا ہونا چاہیے تھا تا کہ اس کا کم از کم مقابلہ تو کر سکتا، یوں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ایک صبح یا ایک شام لگا دینا وہ نفل سے بہتر ہے، وہ حج سے بہتر ہے یا وہ زکوٰۃ سے بہتر ہے یا دوسرا کوئی اچھا کام یا عمل جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت ہوتی، تو کوئی بات ہوتی، یہ تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی ہوائی جہاز والا گدھا گاڑی والے سے کہہ دے کہ میرا ہوائی جہاز تیری گدھا گاڑی سے بہتر ہے، اس کا آپس میں تو کوئی مقابلہ نہیں ہے، جہاز کا مقابلہ تو جہاز سے ہونا چاہیے، نہ کہ گدھا گاڑی سے، تو اب اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے بیٹھنا یہ بہت اہم کام ہے اس کا مقابلہ تو کسی اہم کام سے ہونا چاہیے، نہ یہ کہ اس کا مقابلہ دنیا سے ہو، جس کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں، جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار فرمایا، اس حدیث کا مطلب کیا ہے کہ دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے اُن سب سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک صبح یا ایک شام لگا دینا، اللہ تعالیٰ علماء کو جزائے خیر عطا فرمائے اُنھوں نے اس کی وضاحت فرمائی اور فرمایا کہ پوری کی پوری دنیا اور اس کے اندر جتنے بھی ہیرے ہیں، جواہرات ہیں، سونا، چاندی ہے، پہاڑ ہیں اور اس طریقے سے جنگلات ہیں، دریا ہیں جو کچھ بھی اس کے اندر ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں یا نہیں آتے، وہ سب کے سب اول تو کسی کو ملتے نہیں اگر بالفرض کسی کو مل جائیں اور ایک شخص ان تمام چیزوں کا مالک بن جائے، اور اس کے بعد وہ ان سب چیزوں کو نفلی صدقہ کے طور پر خیرات کر دے، صدقہ کر دے جو کچھ اُن کو صدقہ کرنے پر ملتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اُس شخص کو زیادہ عطا فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ایک صبح یا ایک شام لگاتا ہے تو گویا ہم اتنے قیمتی کام کے لیے جمع ہوگئے ہیں اور بعض علماء نے اس کی یوں تشریح بیان فرمائی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ دنیا کے اندر جتنے نیک نفلی اعمال ہورہے ہیں، مثلاً ایک آدمی بیٹھا ہے اور سوچ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین میرے اندر آجائے اور پوری انسانیت کے اندر آجائے اور دوسرا شخص نفلوں میں لگا ہوا ہے، دوسرا شخص نفلی صدقات میں لگا ہوا ہے، دوسرا شخص نفلی حج کررہا ہے، جتنے بھی نفلی اعمال ہیں، دنیا کے اندر جتنے بھی نفلی اعمال ہورہے ہیں اُن تمام سے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ایک صبح یا ایک شام لگادینا بہتر ہے، نفلی اعمال اس لیے عرض کررہا ہوں کہ فرض کا تو مرتبہ کچھ اور ہے، اُس کے مقابلے میں تو کچھ آ ہی نہیں سکتا، اگر فرض زکوٰۃ ہو، فرض نماز ہو، فرض حج ہو وہ تو اپنی شان کے اعتبار سے ہیں، لیکن نفلی اعمال جتنے بھی دنیا کے اندر ہورہے ہیں، اُن سب سے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے ایک صبح ایک شام لگادینا، اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے، سیکھنے کے لیے، سکھانے کے لیے، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہتر ہے۔ * اللہ تعالیٰ اس کا یقین ہمارے اور آپ کے اندر پیدا فرمائے، یہ جو ہمارا اور آپ کا جمع ہونا ہے ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسان کی اپنی ذاتی اصلاح ہوجائے، خود دین سیکھے، اور اصلاح کس لیے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے، اصلاح کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو۔ انسان دنیا میں آیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ اعمال کرلے جس سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرکے آخرت میں ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوجائے، تو کیسے راضی کرینگے؟ اللہ تعالیٰ کو ہم ایسے راضی کرینگے کہ ہم اپنے نفس کو مٹائیں، اپنے نفس کی اصلاح کریں، اب انسان کا ایک ظاہری جسم ہے اور ایک اس کا روحانی جسم ہے، اب ظاہری اعتبار سے انسان کبھی بیمار ہوتا ہے اور باطنی اعتبار سے بھی انسان بیمار ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے جو بیماری ہے وہ بیماری بسا اوقات رحمت ثابت ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی انسان کسی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے، حدیث قدسی ہے اِذَا وَجَّھْتُ لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ مُصِیْبَۃً فِیْ بَدَنِہٖ، اَوْوَلَدِہٖ اَوْ مَالِہٖ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ ذٰلِکَ بِصَبْرٍ جَمِیْلٍ، کہ میں جب اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی طرف کوئی مصیبت یا کوئی پریشانی متوجہ کردوں، مثلاً بیمار پڑ گیا، اور کوئی نقصان ہوگیا، زخمی ہوگیا، یا اُس کے بیٹے اولاد میں کوئی مرگیا یا بیمار ہوگیا یا اُس کے اموال میں نقصان ہوگیا، بہرحال جو کچھ بھی مصیبت متوجہ ہوجائے اور فرمایا اُس کا استقبال کیا صبرِ جمیل سے، یعنی میری طرف سے جو کچھ مصیبت،

[*دوسری دو حدیثیں رکعتان فی جوف الیل خیر من دنیا و ما فیھا اور التکبیرۃ الاولیٰ خیر من دنیا و ما فیھا کو لغدوۃ فی سبیل اللّٰہ کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو پہلی تشریح ہی کافی ہے دوسری کی گنجائش نہیں نکلتی۔]

بیماری، پریشانی اُس پر آ گئی، اور اُس بیماری اور پریشانی میں اُس نے جزع فزع نہیں کیا، بلکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر رضا بالقضاء کے طور پر سمجھا کہ بس میرے رب کا فیصلہ ہے ایسا ہونا ہی تھا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے راضی ہوں، تو حدیث پاک میں آتا ہے، حدیث قدسی ہے اِسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْ اَنْصَبَ لَهٗ مِيْزَانًا اَوْ اَنْشُرَ لَهٗ دِيْوَانَهٗ کہ قیامت والے دن مجھے اس بندے سے حیا آئے گی کہ میں اس کے لیے ترازو قائم کروں یا اس کا نامۂ اعمال دیکھوں، یعنی کیا مطلب ہے کہ اس بندے نے میری مصیبت پر صبر کیا، میری بیماری پر صبر کیا، میں نے جو کچھ پریشانی اُس پر بھیجی تھی اُس پر صبر کیا، جب اس نے اتنا صبر کیا اب میں بھی اس سے کچھ نہیں پوچھتا، گویا کہ بغیر حساب کتاب کے میں اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہوں، تو اس وجہ سے میں عرض کر رہا تھا کہ جسمانی بیماری بسا اوقات درجات کے بلند ہونے کا سبب ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک انسان کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ (مقام) لکھ دیتا ہے، جنت میں ایک مقام لکھتا ہے، کہ اس کو یہاں تک پہنچانا ہے اور وہ انسان عمل کر کے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، اتنی نیکیاں اور اتنی نمازیں اور اتنی عبادات کر کے اُس مرتبے کو حاصل نہیں کر سکتا، تو اللہ تعالیٰ اُس پر کوئی بیماری، پریشانی لاکر براہ راست Direct promotion کر کے اُس کو اُس مرتبے تک پہنچا دیتا ہے، تو وہ بھی اُس کی ترقی کے لیے ہوتا ہے، اس وجہ سے بیماری وغیرہ جسمانی اعتبار سے انسان کے اُوپر آ جائے تو اگر دوائی اور علاج کے ساتھ اُس کا خاتمہ نہ ہو تو آخر کار موت پر اُس کا خاتمہ ہو ہی جاتا ہے، لیکن کچھ بیماریاں ایسی ہیں جو روحانی بیماریاں کہلاتی ہیں، اب روحانی بیماریاں انسان کو دنیا میں بھی تباہ کر دیتی ہیں اور آخرت میں اس کے لیے ہمیشہ بربادی کا باعث بن جاتی ہیں۔ جیسے ظہر کے بعد ہم حسد کے بارے میں سن رہے تھے، حسد بھی ایک زبردست بیماری ہے، تکبر بھی بیماری ہے، اسی طریقے سے غصہ ہے۔ انسان کے اندر مختلف چیزوں کے اعتبار سے مختلف بیماریاں ہوتی ہیں، کسی کو زیادہ بولنے کی بیماری ہوتی ہے وہ بولتا رہتا ہے بولتا رہتا ہے، اب بولنے میں انسان نے اپنے نیک اعمال اگرچہ بہت زیادہ کیے ہوں، دو باتوں میں کسی کی غیبت کر کے سب کچھ اُڑا دیئے، اب یہ بیماریاں ہمارے اندر سے نکل جائیں، اگر ان بیماریوں کا علاج ہم نے دنیا میں نہیں کیا اور ان سے ہم باز نہیں آئے اور اپنی اصلاح نہیں کی تو یقین رکھو کہ یہ بیماریاں ہمیں پھر قبر میں بھی نہیں چھوڑیں گی، حشر میں بھی نہیں چھوڑیں گی یہاں تک کہ یہ بیماریاں ہمیں جہنم میں لے جا کر جہنم میں داخل کر کے چھوڑ دیں گی، اس لیے جو اجتماعات ہوتے ہیں اور سلسلے کے اعتبار سے ساتھی جمع ہوتے ہیں، اس کے اندر سب سے مقدم بات یہ ہوتی ہے کہ ہمارے اندر جو روحانی

بیماریاں ہیں اُن کی طرف ہم متوجہ ہو جائیں، اُن کا ہم علاج کرلیں، اور علاج بھی ظاہر ہے اُن حضرات سے کرائیں گے جن کا خود علاج ہو گیا ہو، صحبت یافتہ ہو، اب ہمارے جیسے سویا ہوا آدمی کیا کرسکتا ہے، خفتہ، خفتہ را کے کند بیدار، ایک آدمی سویا ہوا ہے دوسرے کو کیا بیدار کرے گا، لیکن بہرحال ہم نے یہ نیت کی ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں آئیں گے، اُن کے صحبت میں بیٹھ کر، اُن کے پاس آنے جانے سے اللہ تعالیٰ ہمارا بھی بیڑا پار کردے گا بیشک ہمارا علاج نہ ہوا ہو، لیکن اُس علاج کی طرف ہم متوجہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے، اللہ جل شانہ اس متوجہ ہونے سے بھی ہمارا بیڑا پار کردے گا، تو اس میں جو زبان کی بیماری ہے، بولنے کی بیماری ہے اللہ جل شانہ نے اس کا قرآن پاک میں بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلام نے احادیث کے اندر اس کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، کہ ہے تو بظاہر بہت معمولی سی چیز لیکن اس کا نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے، زبان جسامت میں کم ہے حدیث پاک میں آتا ہے، جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَجُرْمُهٗ كَبِيْرٌ ،اسکی جسامت بہت چھوٹی لیکن اس کا جرم بہت بڑا ہے ،اس وجہ سے ہم جو بھی بات زبان سے نکالتے ہیں اور کرتے ہیں اس کے لیے ہمیں سوچنا چاہیے کہ بھائی ہمارا ہر ہر بول، ہر ہر بات وہ محفوظ ہو رہی ہے، اور قیامت میں اس کی ہم سے باز پرس ہوگی، ہم نے جو اچھا بول بولا ہوگا اُس پر ہمیں اجر ملے گا، جو ہم نے بُرا بول بولا ہوگا اُس پر ہمیں عذاب ملے گا، لیکن یہ ہے کہ اچھے بول کیا ہیں اور بُرے بول کیا ہیں، اس کے لیے ہم ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر سوچ لیں، کہ ہم کیا کر رہے ہیں کس انداز سے ہم بول رہے ہیں، ہمارے بولنے میں اچھی باتیں زیادہ ہیں یا وہ باتیں زیادہ ہیں جو ہماری آخرت کو برباد کر رہی ہیں۔ اس وجہ سے حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ صَمَتَ نَجَاَ، جو آدمی خاموش رہا اُس نے نجات پائی، یہ کیوں فرمایا حالانکہ بولنے میں تو خیر ہے بولنے میں تو اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں، لیکن خاموشی میں نجات اس لیے فرمائی کہ عمومی طور پر اکثر جب لوگ بولیں گے اُن سے بولنے میں کوتاہیاں ہوں گی، اُن سے بولنے میں غلطیاں ہوں گی یہی وجہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنی اُمت پر کس چیز کا زیادہ خوف ہے؟ تو آپ ؐ نے زبان مبارک کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت پر اس کا خوف ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنی زبان کو پکڑ کر مروڑ رہے تھے، کسی نے پوچھا حضرت یہ کیوں؟ فرمایا کہ اس لیے کہ یہ زبان تو ایسی چیز ہے اِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِى الْمَوَارِدَ، اسی نے تو مجھے ہلاکت میں ڈالا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر اور سلوک کے راستے میں قدم رکھ کر ہم اپنے اعمال کی حفاظت کرلیں۔ اعمال کی حفاظت کے لیے ایک بہترین ذریعہ یہ

ہے کہ انسان کم بولنا سیکھ لے، بولے تو احتیاط سے بولے، حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ، جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، آخرت پر ایمان رکھتا ہو، فَلْیَقُلْ خَیْرًا ، اُس کو چاہیے کہ خیر کی بات کرے، بہتر بات کرے اور بہتر بات نہ ہو تو اَوْ لِیَصْمُتْ ورنہ خاموش رہے، خاموشی میں بہتری ہے اگر انسان بولتا ہے اور بلا سوچے سمجھے بولتا ہے، شروع میں اس ارادہ سے نہیں بولتا کہ میں غیبت کروں گا، اس ارادہ سے نہیں بولتا کہ میں کسی پر تہمت لگاؤں گا، اس ارادہ سے نہیں بولتا کہ میں کسی کی آبروریزی کروں گا، کہتا ہے چلو دو چار باتیں ہوجائیں گی، گپ شپ ہو جائے گی۔ لیکن جب دیکھتا ہے تو کہیں کا کہیں جا پہنچا ہوا ہوتا ہے، اس نے اپنے اعمال بھی سارے برباد کیے ہوئے ہوتے ہیں، اور دوسروں کی برائیاں اور گناہ اپنے سر پر لیے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِکَلِمَۃٍ مِّنْ رِضْوَانِ اللّٰہِ تَعَالٰی ، کہ بندہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی ایک بات کرتا ہے مَا یُلْقِی لَھَا بَالًا اُس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، کیا بات کر رہا ہوں لیکن چونکہ بات اچھی ہے اس کی وجہ سے یَرْفَعُہُ اللّٰہُ بِھَا دَرَجَاتٍ ، اللہ جل شانہ اس کے ذریعے سے اُس کو جنت میں بلند درجہ عطا فرما دیتا ہے اور بلند مقام عطا فرما دیتا ہے لیکن یہ کم ہوتا ہے اور یہ بات بھی حدیث پاک میں ہے کہ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِکَلِمَۃٍ مِّنْ سَخَطِ اللّٰہِ تَعَالٰی کہ بسا اوقات بندہ ایسی کوئی بات کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوتی ہے لَا یُلْقِی لَھَا بَالًا ، یہ اس کو خیال بھی نہیں کرتا، لیکن اُس بات کی وجہ سے یُلْقٰی بِھَا فِی النَّارِ اَبْعَدَ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ جہنم کے اندر اتنا دور گرتا ہے جتنا مشرق سے مغرب دور ہے۔ اس لیے ہم اور آپ بولیں تو کم بولیں اور جو بولیں تو سوچ کر بولیں، محاورہ ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ اگر چہ اچھا بولنا بولنے والے کے لیے زینت ہے اَلنُّطْقُ زَیْنُ الْاَھْلِہٖ بولنا بولنے والے کے لیے زینت ہے لیکن وَالسُّکُوْتُ سَلَامَۃٌ خاموشی میں سلامتی ہے۔ اِذَا نَطَقْتَ فَلَا تَکُنْ مِّکْثَارًا مَا نَدِمْتُ عَلَی السُّکُوْتِ مَرَّۃً ، کہتے ہیں کہ جب تم بات کرتے ہو، تو زیادہ نہ کرو، میں کبھی خاموشی پر پشیمان نہیں ہوا کہ میں نے یہ خاموشی کیوں اختیار کی، ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ میں نے خاموشی پر پشیمانی اختیار کی، لیکن وَلَقَدْ نَدِمْتُ عَلَی الْکَلَامِ مِرَارًا ، بات کرنے پر میں بار بار پشیمان ہوا ہوں، کہ میں نے سوچا کہ یار یہ بات تو میں کہتا ہی نہ، یہ تو میں نے اس کے فائدے کے لئے کہی تھی پھر بیچارہ پریشان ہوجاتا ہے، اس وجہ سے بولنا بولنے والے کے لیے زینت تو ہے، لیکن سلامتی کیا ہے؟ وہ تو خاموشی ہے اور جو بولتا ہے تو بولنے سے

بھی نہ بولنا بہتر ہے، پشتو میں بھی اس کی ایک ضرب المثل ہے ''چہ خہ وویئل خہ دی خو دَ نہ وویئلو ثانی نہ دی'' اچھا بولنا تو اچھا ہے لیکن نہ بولنے کے برابر پھر بھی نہیں، اس لیے ہم اور آپ اپنی زبان کو صحیح طریقے سے استعمال کریں گے اور یہی زبان ایسی چیز ہے کہ اس کو ہم صحیح استعمال کریں گے تو سارے لوگ ہمارے دوست بن جائیں گے اور اسی زبان کو اگر ہم غلط استعمال کریں گے تو دوست ہمارے دشمن بن جائیں گے، ایک اور ضرب المثل پشتو میں ہے'' ‌خپلہ ژبہ ھم قلعہ دہ ھم بلا دہ'' زبان کو اگر صحیح استعمال کریں گے، یہ ہمارے لیے ایک محفوظ قلعہ بن جائے گی اور اگر اس کو غلط استعمال کریں گے تو یہ ہمارے لئے مصیبت اور بلا بن جائے گی، ہمارے لیے پریشانی کا باعث بن جائے گی۔تو ہم اس کو صحیح استعمال کریں، زبان کے ذریعے سے ہم نے کسی کا دل دُکھایا، کسی کو گالی دی، کسی کی غیبت کی، تو ہم نے کتنا نقصان کیا، اور یہ بھی شاید آپ کو معلوم ہو، کسی کو گالی دینا، کسی کا دل دکھانا زبان کے ذریعے سے، یہ ہاتھ کے ستانے سے بھی سخت ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ ، کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، علماء نے لکھا ہے کہ یہاں پر من لسانہٖ کو پہلے ذکر کیا اور و یدہٖ کو بعد میں ذکر کیا، وجہ یہ کہ زبان سے ہر آدمی دوسرے کو ایذا پہنچا سکتا ہے، ہم یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں، بہت بڑا آدمی ہے بادشاہ ہے، وزیر ہے جو کچھ بھی ہے اُس کے خلاف ہم بول سکتے ہیں، اُس کی غیبت ہم کر سکتے ہیں، بہتان لگا سکتے ہیں، لیکن ہاتھ سے اگر ہم اُس کو ایک ڈنڈا مارنا چاہیں تو نہیں مار سکتے، اس وجہ سے ہاتھ سے ہر آدمی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، لیکن زبان سے ہر آدمی پہنچا سکتا ہے، اس وجہ سے حدیث پاک میں اسی بات کا اہتمام کیا گیا پہلے زبان کو ذکر کیا گیا کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اس وجہ سے ہم اور آپ غور کریں سوچ اور فکر کریں کہ ہم جو بول رہے ہیں کہیں ہمارے بولنے سے کسی کو تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے، کسی کو پریشانی تو نہیں ہو رہی ہے، اس لیے اگر ہاتھ سے کسی کو ستائیں تو شاید وہ درست ہو جائے، کسی شاعر نے کہا کہ

؎ جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

نیزے کا جو زخم ہوتا ہے وہ کبھی جڑ جاتا ہے، مل جاتا ہے، درست ہو جاتا ہے لیکن جو زخم زبان نے لگایا ہے وہ کبھی درست نہیں ہوتا، اُس کے لیے درستگی نہیں ہے۔

؎ جراحاتِ نیزہ بگرد د بدار و ولے جرحے زباں را نسیت دارو

نیزے کا جو زخم ہے وہ دوا دارو کے ساتھ واپس آجاتا ہے، درست ہو جاتا ہے لیکن زبان کا جو زخم ہے اُس کے لئے دوائی نہیں ہے اُس کے لیے علاج نہیں ہے وہ ہمیشہ کے لیے رہتا ہے۔ دیکھا گیا ہے بہت سارے لوگ جن کو کسی نے کبھی ڈانٹا ہے یا کوئی سخت بات کہی ہے، زمانوں، مدتوں تک سالوں گزرنے کے بعد بھی کہتا ہے کہ یار یہ آدمی ایسا ہے اس نے مجھے یہ بات کہی تھی، مرتے دم تک وہ بات یاد رہتی ہے، اگر ہاتھ کا زخم ہوتا تو وہ ٹھیک ہو جاتا لیکن بات دل سے اُترتی نہیں، قبر کو جاتے وقت تک، قبر میں اُترتے وقت تک انسان کے دل میں وہ بات رہتی ہے کہ اس نے مجھے یہ بات کہی تھی، ایک واقعہ ہے۔ پتہ نہیں حقیقت اُس کی کیا ہے، بہرحال عبرت کے لیے ہے۔ ایک انسان اور ایک شیر کی آپس میں دوستی تھی تو ایک دفعہ بات چل رہی تھی آپس میں بیٹھے ہوئے تھے انسان نے شیر سے کہا کہ تیرے منہ سے بدبو آرہی ہے، یہ بات شیر کو بہت ناگوار گزری، اُسکو تکلیف ہوئی، وہ چلا گیا۔ ایک دن شیر نے کلہاڑا انسان جو اُس کا دوست تھا اُس کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ یہ لے لو اور میرے سر پر مارو، انسان نے کہا کیا بات کر رہے ہو، ہماری اور آپ کی تو دوستی ہے، خیر خواہی ہے ایک دوسرے کے ساتھ، میں آپ کو کیسے مار سکتا ہوں، اُس نے کہا کہ مارنا ہوگا اگر نہیں مارے گا تو پھر تیری خیر نہیں ہے، وہ تو شیر تھا اور انسان تو کمزور تھا، چاہتا یا نہ چاہتا بہرحال اُس نے کلہاڑی لے کر شیر کے سر پر ماردی، وہ زخمی ہو گیا، اب انسان پریشان تھا کہ کیا ہوگا، میں نے ماردیا اب کیا ہوگا شاید مجھے قتل کردے، شیر نے کچھ بھی نہیں کہا۔ کچھ عرصہ گزر گیا، اُس کا جو زخم تھا وہ بھر گیا اور ٹھیک ہو گیا یہاں تک کہ بالکل ہموار ہو گیا، تو ایک دن انسان کے سامنے پھر وہ شیر آیا اور انسان سے کہا کہ بھائی آجاؤ دیکھو کہ میرے سر پر زخم ہے یا نہیں، اُس نے جب دیکھا تو کہا کہ نہیں ہے وہ تو بالکل ختم ہو گیا ہے، کہا کہ کچھ نشان ہے اُس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ہے پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہاں کوئی زخم لگا تھا یا نہیں، تو شیر نے کہا کہ یہ زخم تو کلہاڑی والا زخم تھا یہ تو صحیح ہو گیا لیکن تو نے مجھے جو بات کہی تھی کہ تیرے منہ سے بدبو آرہی ہے وہ بات میرے دل میں اب بھی تازہ ہے۔ تو ہم اور آپ جب بات کرتے ہیں کسی سے بولتے ہیں تو سوچ کر بولیں، سمجھ کر بولیں، ایسے نہ ہو کہ ہماری زبان سے کوئی غلط بات نکلے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے تو ارشاد فرمایا مَنْ یَّضْمَنَ لِیْ مَابَیْنَ لِحْیَیْہِ وَمَابَیْنَ فَخِذَیْہِ اَضْمَنَ لَہُ الْجَنَّۃَ ، جنت کی ضمانت دو چیزوں پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کیوں دے رہے ہیں، اس میں ہے کچھ ناں، جس نے مجھے اس بات کی ضمانت دی جو دونوں جبڑوں کے درمیان یعنی زبان، اُس کے صحیح استعمال کرنے کی ضمانت دی اور رانوں کے درمیان شرمگاہ کی ضمانت دی کہ اس کو غلط استعمال نہیں کروں گا تو ان دو ضمانت

دینے والوں کے لیے میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کی ضمانت ان دو چیزوں پر ہے، دیکھ لیں بظاہر تو دو کلمے معلوم ہوتے ہیں لیکن زبان کو صحیح استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، ہزار مرتبہ ہم کہیں گے کہ کسی کی غیبت نہیں کریں گے کسی کے خلاف نہیں بولیں گے، کسی کو گالی نہیں دیں گے، کسی کی دل آزاری نہیں کریں گے لیکن پھر بھی زبان سے بات نکلتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کے پاس لوگ جاتے ہیں وہ اپنے مرید کو دیکھتے ہیں اُس کے اندر اگر بولنے کی بیماری زیادہ ہے تو اُس کے علاج کے طور پر اُس کو کہہ دیتے ہیں کہ بھائی تم کم بولو، بلکہ علاج کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ تم منہ میں ایک پتھر رکھ لو چھوٹا سا، پتھر اس لیے رکھو کہ تم جب بولو گے تو تمھیں فوراً بات یاد آجائے گی کہ مجھے تو شیخ نے منع کیا ہے زیادہ بولنے سے، تو پھر رُک جائے گا اگر بولے گا بھی تو سوچ سمجھ کر بولے گا کہ بولنے کی بات ہو تو بولے گا ورنہ نہیں۔ ہم ہزار مرتبہ یہ باتیں سنتے ہیں لیکن سننے کے دو منٹ بعد اُسی طرح جو ہماری حالت ہوتی ہے جو صورت ہوتی ہے وہ ہم بولتے رہتے ہیں، یہ جو آپ کے سامنے میں عرض کر رہا ہوں یہ اپنی بیماری کے ازالے کے لیے کر رہا ہوں، کیونکہ یہ بیماری میرے اندر بہت زیادہ ہے۔ حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں جب دیکھتا ہوں کہ جو کچھ میرے اندر بہت زیادہ ہے جو کچھ نقصان میرے اندر ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے میں دوسرے کے سامنے اسکا وعظ کرتا ہوں، دوسروں کے سامنے اُس کو بیان کرتا ہوں، تو آپ کے سامنے بیان کرنے کا مقصد اپنی اصلاح ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائیں اور یہ ایک مذاکرہ بھی ہے

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥، (الذاریٰت:۵۵)

ترجمہ: اور سمجھاتے رہیئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

اس وجہ سے ہم اور آپ زبان کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کریں اس کا ہم اپنے آپ کو عادی بنائیں اور ہر ممکن ایسی مجالس میں نہ بیٹھیں جہاں پر کسی کی غیبت ہو رہی ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کسی کی غیبت کر رہا ہوتا ہے اگر تم اس کو کہہ دو کہ بھائی یہ تو غیبت ہے تو ناراض ہو جاتا ہے کہ تم بڑے بزرگ آگئے میں تو ہر وقت کہتا ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں تو اُس کے سامنے بھی کہہ دیتا ہوں تو یہ بات سمجھ لیں کہ سامنے کہنے سے غیبت ختم نہیں ہو جائے گی، غیبت کی تعریف جو علماء نے کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی کے اندر کوئی بات ایسی ہو جس کو اُس کے سامنے اگر آپ ذکر کریں اُس سے اُس کو تکلیف ہو جائے، اُس سے وہ ناراض ہو، اُس

بات کو پسند نہ کرے تو یہ اُس کے پس پشت کرنا اُس کی غیر موجودگی میں ایسی بات کرنا یہ غیبت ہے۔تو ہم اگر اُس کے سامنے غیبت والی بات کر دیں تو کیا اُس سے وہ ناراض نہیں ہوگا ؟ کیا وہ خوش ہو جائے گا؟ کیا وہ ہمیں ہار پہنائے گا؟ کہ تم نے اچھی بات کہہ دی میرے سامنے، نہیں، بطور اصلاح اُس کے ساتھ اگر بات کی جائے تو وہ الگ بات ہے لیکن کسی کی آبروریزی کے لیے، کسی کی ہتک کے لیے اور کسی کی عزت کو برباد کرنے کے لیے اُس کے پیچھے ایسی باتیں کرنا اور اگر وہ بات اس میں نہ ہو تو یہ تو بہتان ہے وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، عرض کیا، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاالنَّجَاۃ؟ نجات کیا چیز ہے؟ نجات کا راستہ بتلائیں، ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھے نجات مل جائے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں، غور سے سن لیں، نجات کے لیے تین چیزیں ارشاد فرمائیں، اور اُن تین چیزوں میں سے پہلی جو بات ارشاد فرمائی أَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ ، اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے کنٹرول میں رکھو، زبان کو غلط استعمال نہ کرو، زبان کو صحیح طریقے سے استعمال کرو۔اور دوسری بات ارشاد فرمائی وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ ، دوسری بات یہ ہے کہ تجھے اپنا گھر اپنے اندر سمو دے، یعنی تو گھر سے زیادہ باہر نہ نکلے، بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنا اس میں بھی خطرات ہوتے ہیں، اس میں بھی نقصانات ہوتے ہیں، ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر، مل کر وہی باتیں ہو جاتی ہیں، اس وجہ سے ارشاد فرمایا گھر سے زیادہ باہر نہیں نکلا کرو اور تیسری بات ارشاد فرمائی وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ اور اپنی خطا اور اپنی غلطی پر رویا کرو جو گناہ ہو گئے ہیں اُن پر رویا کرو۔ یہ تین چیزیں اگر پیدا ہو گئیں تو تیری نجات کے لیے کافی ہیں، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مواقع پر مختلف چیزیں لوگوں کو ارشاد فرمایا کرتے تھے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہی تین چیزیں ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو پوچھنے والا ہوتا تھا اُس کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی نجات کے لیے وہ چیزیں بتلایا کرتے تھے، تو شاید جس صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا اُس صحابی رضی اللہ عنہ کے اندر چند باتیں ایسی ہوں جن کی ان تین باتوں اور ان تین چیزوں سے اصلاح ہوتی ہو، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف چیزیں ارشاد فرمائی ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف ان تین چیزوں کو ہم لے لیں اور باقی سب کچھ کو ہم چھوڑ دیں، اس وجہ سے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ شیخ جب اپنے مرید کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر تو بولنے کی بیماری ہے، اس کے اندر تو تکبر کی بیماری ہے، اس کے اندر تو حسد کی بھی بیماری ہے لیکن جو بیماری زیادہ ہوتی ہے، پہلے اُس کی اصلاح شروع کر دیتے ہیں، اس طریقے پر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے مختلف مواقع پر مختلف ارشادات فرمائے ہیں، بہر حال عمومی طور ہم اور آپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بولنا بڑی خطرناک بیماری ہے اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ بولنے کے فوائد اور نقصانات کو دیکھیں جس نے کلمہ **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** زبان سے نہ پڑھا ہو، تو اس کو بطورِ مسلمان نہیں پہچانا جاتا، لیکن جب وہ زبان سے **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** دو کلمے ہیں جب یہ پڑھ لیتا ہے، تو اس کی زندگی کے اندر کتنے انقلابات اس بات سے آجاتے ہیں، یعنی پہلے وہ کافر تھا، اُمتِ دعوت میں تھا، اب یہ مسلمان بن گیا اور اُمتِ اِجابت میں آگیا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا اب اس کے پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا دوست بن گیا، اس سے پہلے وہ جہنم کے کنارے پر کھڑا تھا اب اس کے بعد وہ جنت کے کنارے پر کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا مبغوض تھا اب اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا، کیا ہوا، کوئی اتنا لمبا چوڑا کام تو نہیں کیا، زبان ہی کو حرکت دے کر صرف یہ دو کلمے کہہ دیے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ایک عورت یا ایک لڑکی کو دیکھنا ہمارے لیے جائز نہیں ہوتا، لیکن جب شریعت کے اعتبار سے عورت کی طرف سے ایک شخص وکیل بن کر صرف کہہ دے کہ میں نے دے دیا اور اُس نے کہا میں نے قبول کرلیا، تو پھر سارے معاملے ختم ہو جاتے ہیں وہ اُس کے گھر میں آجاتی ہے اور پھر بجائے نہ دیکھنے کے دیکھنا اُس کے لیے عبادت بن جاتا ہے۔ یہی بیوی ہے اُس کے ساتھ رہتی ہے، قریب رہتی ہے، گھر میں رہتی ہے، سب کچھ خدمت وغیرہ کرتی رہتی ہے، لیکن جب اُس کی زبان سے صرف اتنا نکلا، تمھیں طلاق ہو یا میں نے چھوڑ دیا، تو کوئی لمبا چوڑا کام تو نہیں کیا، لیکن اسی وجہ سے یہ بیوی اب اُس کے لیے حرام ہو گئی، اب اس کو اپنے گھر میں رکھنا بھی جائز نہیں ہے، اب شوہر سے اُس کے لیے پردہ واجب ہے، تو یہ باتیں کہاں سے پیدا ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم بولتے رہتے ہیں بولتے رہتے ہیں، بولنے میں کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ العیاذ باللہ کفر تک پہنچ گئے ہیں، بسا اوقات انسان مذاق میں ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ آجاؤ بھائی روزہ رکھو، کہتے ہیں روزہ رکھنا تو وہ رکھے جن کے گھر میں کچھ نہ ہو، یہ ایسے ہی مذاق میں کہہ دیتا ہے لیکن کہاں پہنچ گیا، بس یہی بات ہے، یہاں جو ہم آتے ہیں اور بیٹھتے ہیں مذاکرہ ہوتا ہے وہ اسی لیے ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو صحیح استعمال کرنے والے بن جائیں، جیسا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے وہاں ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے اوقات کو قیمتی بنانا اور اپنی زبان کو بچانا اور نظروں کو بچانا، زبان کو بچائیں گے، نظروں کو بچائیں گے تو ایمان بچ جائے گا، ایمان بچانا مقصد ہے اور اس کے لیے ساری چیزیں جو باڑ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، اُن کا ہم اہتمام کریں گے۔

ہم اور آپ یہاں پر جمع ہوئے ہیں، اللہ پاک نے موقع دیا ہے ایک ماحول دیا ہے، یہ ساری مجلس وہاں پر بھی ہو سکتی تھی لیکن وہاں پر ماحول نہیں ہو سکتا تھا، ماحول سے بات بنتی ہے اس وجہ سے ہم اور آپ نے گھر بار چھوڑ دیا، لہٰذا یہاں پر بیٹھ کر ہم اپنی اصلاح کی فکر کریں، یہ جو ایک دن ہے دو دن ہیں جتنا بھی ہے اس میں ہم اپنے آپ کو اس کا عادی بنائیں، جو عبادات ہیں، جو اعمال ہیں، جو اذکار ہیں، جو یہاں سے بتائے جاتے ہیں جو وظائف بتائے جاتے ہیں، جو طریقہ بتایا جاتا ہے تو اُس کو اپنانے کی کوشش کریں، ہم اگر وہاں پر ایک گھنٹے کے لیے مجلس میں آجائیں، حضرت صاحب کچھ ارشادات فرما دیتے ہیں، ہم سُن لیتے ہیں لیکن جب باہر نکل جاتے ہیں تو بھول جاتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائیں کہ ایسی جگہ پر جمع کیا کہ یہاں سے ہم جانا بھی چاہیں تو نہ جا سکیں اور اس کام کو ہم صحیح طریقے سے کرنے والے بن جائیں۔ یہ چند گزارشات آپ حضرات کے سامنے میں نے عرض کر دیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، واخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین.

☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۷ سے آگے) اب مکان کے کواڑ بند کر دو اور میرے پاس میرے مرنے تک کسی کو آنے کی اجازت نہ دینا اور یہ سن لو کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جس میں میراث تقسیم ہو بجز اس چادر کے، اس ٹاٹ کے، وضو کے اس لوٹے کے اور میری کتابوں کے۔ اس تھیلی میں تیس درہم ہیں یہ میرے نہیں ہیں بلکہ میرے بیٹے کے ہیں اُس کے ایک رشتہ دار نے اُس کو دیئے ہیں۔ اور اس سے زیادہ حلال چیز میرے لئے کیا ہوگی جبکہ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے (لہٰذا یہ بیٹے کا مال ہونے کی وجہ سے اس حدیث شریف کی بنا پر مجھ پر حلال ہے)۔ اِس میں سے میرے کفن کی اتنی مقدار خرید لینا جس سے میرا ستر ڈھک جائے۔ اس سے زیادہ اس میں سے نہ لینا یعنی صرف لُنگی اس سے خرید لینا اور یہ ٹاٹ اور یہ چادر کفن میں شامل کر لینا۔ کفن کے تین کپڑے پورے ہو جائیں گے، لُنگی، چادر اور تیسرا ٹاٹ ہو جائے گا۔ ان تینوں میں مجھے لپیٹ دینا اور یہ وضو کا لوٹا کسی نمازی فقیر کو صدقہ کر دینا کہ وہ وضو کر لیا کرے گا۔ یہ سب فرما کر چوتھے دن انتقال ہو گیا۔

عبدالخالقؒ کہتے ہیں کہ میں یوسف بن حسینؒ کے پاس نزع کی حالت میں تھا۔ وہ کہہ رہے تھے اے اللہ! میں ظاہر میں لوگوں کو نصیحت کرتا رہا اور باطن میں اپنے نفس کے ساتھ کھوٹا پن کرتا رہا۔ میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کھوٹ کیا اُس کو اس کے بدلے میں کہ تیری مخلوق کو نصیحت کرتا رہا، معاف کر دے۔ یہ کہتے کہتے جان نکل گئی۔ (جاری ہے)

حالتِ نزع

(ڈاکٹر فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ اسپیشلسٹ، کوہاٹ)

حضرت سری سقطیؒ کا وصال ہونے لگا، نزع کی حالت تھی، میں سرہانے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنا منہ اُن کے منہ پر رکھ دیا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میرا آنسو اُن کے رخسار پر گرا۔ فرمانے لگے کون ہے؟ میں نے عرض کیا، آپ کا خادم جنید ہے۔ فرمانے لگے مرحبا (بہت اچھا کیا، آئے) میں نے عرض کیا کوئی آخری وصیت فرما دیجیے۔ فرمانے لگے کہ بروں کی صحبت سے اپنے کو بچانا اور ایسا نہ ہو کہ غیروں کی صحبت اللہ تعالیٰ شانہٗ سے تجھے جدا کر دے۔

حضرت عبدالجبارؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن شخرفؒ کی خدمت میں تیس برس رہا۔ اُنہوں نے کبھی آسمان کی طرف منہ نہیں اٹھایا۔ ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے اب تو آپ کا اشتیاق بہت ہی بڑھ گیا، اب جلد ہی بُلا لیجیے۔ اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ انتقال فرما گئے۔

ابو سعید موصلیؒ کہتے ہیں کہ فتح بن سعیدؒ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے دیر سے واپس ہوئے۔ واپسی میں دیکھا کہ مکانوں کے اندر سے قربانی کے گوشت پکنے کا دھواں ہر طرف سے نکل رہا ہے تو رونے لگے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے قربانیوں سے آپ کا تقرب حاصل کیا، میرے محبوب کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں قربانی کس چیز کی کروں یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے پانی چھڑکا، دیر میں ہوش آیا پھر اُٹھ کر چلے۔ جب شہر کی گلیوں میں پہنچے پھر آسمان کی منہ اُٹھا کر کہنے لگے کہ میرے محبوب تجھے میرے رنج و غم کا طویل ہونا بھی معلوم ہے اور میرا یہ گلی گلی پھرنا بھی تجھے معلوم ہے، میرے محبوب تو مجھے کب تک یہاں قید رکھے گا، یہ کہہ کر پھر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے پھر پانی چھڑکا پھر افاقہ ہو گیا اور چند روز بعد انتقال ہو گیا۔

محمد بن قاسمؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے شیخ محمد بن اسلم طوسیؒ نے انتقال سے چار دن پہلے فرمایا کہ آؤ تمھیں خوشخبری سناؤں کہ تمھارے ساتھی کے (میرے) ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کس قدر احسان کیا کہ میری موت کا وقت آ گیا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کا مجھ پر احسان ہے کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے جس کا حساب دینا پڑے۔ (باقی صفحہ ۲۶ پر)

بڑھتی بے راہ روی کا ذمہ دار کون؟

(محترمہ فائزہ شہزاد، حیات آباد)

اللہ تعالیٰ کا ہم سب پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ہمیں انسان بنایا اور مقامِ انسانیت کو بلند ترین درجہ عطا فرمایا ساتھ ہی دنیا میں اپنی خلافت عطا فرمائی، اختیارِ عمل عطا فرمایا اور شرفِ انسانی کی حفاظت کے لیے قانونِ تکریم انسانی عطا فرمایا اور انسان کو اپنے ازلی دشمن شیطان کے ہر حملے سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا، اب اپنی دنیا اور عاقبت کو سنوارنے کا فیصلہ انسان کو خود کرنا ہے، گناہ کرتا ہے تو ذلت کی پستیوں میں گرتا ہے اور اگر اعمالِ صالح کرتا ہے تو اُسے بلندی ملتی ہے، کسی بھی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کوئی ایسی بات یا عمل کرے جس سے تکریمِ انسانی پامال ہوتی ہو۔ ''عورت'' کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام خوبصورتیوں کو یکجا کر کے ایک خوبصورت ترین وجود بنایا، اُسے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی جیسے خوبصورت رشتے اور رُوپ دے کر عزت و توقیر عطا کی بلکہ ''ماں'' جیسے عظیم رتبے پر فائز کر کے جنت کو اس کے قدموں تلے بچھا دیا اور فرمایا ''کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔'' جبکہ مرد کو دنیا میں اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا اور گھر کا سربراہ بنا کر اُسے عورت پر فوقیت و فضلیت عطا کی، اب دونوں کا کام ہے مل کر اپنے گھر اور معاشرے کو سنوارنا۔ آج کے دور میں مغرب کی خوش کن ہواؤں اور دلفریب نظاروں نے ہر خاص و عام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ہم ایک اسلامی ملک کے باشندے ہیں، پاکستان کو اسلامی نظریات کے مطابق چلانے کا عہد کیا گیا تھا، مگر یہ کیسا اسلامی ملک ہے؟ ہم کس معاشرے کے پروردہ ہیں یہ وہ مملکتِ اسلامیہ تو نہیں جسکی خاطر ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی گردنیں کٹوائیں اور ہزاروں ماؤں، بہنوں، بیٹیوں نے اپنی عصمتوں کے گوہر لُٹا دیئے، ہمارا آج کا معاشرہ مغرب زدہ معاشرہ ہے، ہر شخص مغربی رنگ میں رنگا نظر آتا ہے۔ ہر طرف بے راہ روی، بے پردگی و فحاشی عام ہو چکی ہے، عورتیں پردے میں کم ہی نظر آتی ہیں اور جو چادر اور برقعے میں ملبوس ہوتی ہیں وہ لوگوں کی نظر میں Backward اور Frustration کا شکار عورتیں ہیں کیونکہ بقول ہماری ایک عزیزہ کے ''عورت کا اصل پردہ اور شرم تو نظر کا ہوتا ہے، تن ڈھانپنا ضروری نہیں، نظر کا ہی پردہ کافی ہے''۔ واہ! سبحان اللہ کیا اعلیٰ خیالات ہیں؟، افسوس تو اُن مرد حضرات پر ہوتا ہے جو اپنی بے پردہ خواتین کو بڑی شان اور اکڑ کے ساتھ بازاروں میں لیے گھومتے ہیں، رہی سہی کسر میڈیا نے پوری کر دی ہے، پوری پلاننگ کے تحت میڈیا ہماری نوجوان نسل کو تباہی اور گمراہی کے راستے پر لے جا رہا ہے، آج کے دور میں اداکار اور گلوکار تو بہت پیدا ہو رہے ہیں، مگر

کوئی ''محمد بن قاسم'' نہیں جو ایک بچی کی پکار پر کہاں سے کہاں مدد کے لیے پہنچا تھا، ان تمام باتوں کی وجہ صرف اورصرف ہماری مذہب سے دوری ہے، اگر ہم قرآنِ پاک کو روزانہ ترجمہ کے ساتھ کسی کامل اُستاد سے سیکھ لیں تو دل و دماغ دونوں روشن ہوں اور بند گرہیں تمام کی تمام کھل جائیں، مگر افسوس صد افسوس کے قرآنِ پاک کو خوبصورت جُزدانوں میں لپیٹ کر طاقوں پر تو سجایا جاتا ہے مگر اپنے سینوں کو منور نہیں کیا جاتا، آخر اس روز بہ روز بڑھتی بے راہ روی کا ذمہ دار کون ہے؟ آج کل گھر گھر میں کیبل نے اچھی خاصی شیطانیت پھیلا رکھی ہے، دن کی ابتداء گانوں سے اور رات کی انتہا گانوں پر ہوتی ہے، ہم دن بہ دن اپنے مذہب سے دور اور شیطان کے قریب ہوتے جارہے ہیں، کیا ہم واقعی اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو مائیں بڑی شان سے کہتی ہیں،''بیٹا! فلاں گانا سناؤ، بیٹا! ڈانس کرکے دکھاؤ''۔ آج کے دور میں وہ مائیں کہاں گئیں جن کے بچے ماؤں کے پیٹ ہی میں قرآنِ پاک سن لیتے تھے۔ ۸ا کتوبر کو آنے والا تباہ کن زلزلہ قیامتِ صغریٰ ہی تو تھی، بے شک قیامت بھی ایک روز ایسے ہی آئے گی، مگر ہم بے ضمیر ہو چکے ہیں، ہمارے دل و دماغ اتنے مردہ اور زنگ آلودہ ہو چکے ہیں کہ ہم پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا، یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار تھا جو اللہ پاک نے ہم گناہ گاروں سے کیا اور ہمیں ایک مرتبہ پھر سنبھلنے کا موقع دیا مگر ہم نے دو چار روز ڈر کر گزارے اور پھر اپنی موج مستیوں میں گم ہوگئے، آج کے ہوشربا فیشن! اُف وہ فیشن جس نے نوعمر لڑکیوں اور اُدھیڑ عمر عورتوں کو ایک ہی صف میں لاکھڑا کر دیا ہے، مائیں خود ہی اپنی بچیوں کو ایسے ایسے ملبوسات تیار کرواکے دیتی ہیں کہ دیکھنے والی نگاہیں اُٹھی کی اُٹھی رہ جاتی ہیں، جبکہ ماں تو اپنی بیٹی کو سات پردوں میں چھپا کے رکھتی تھی، ہم دن بہ دن گناہوں کی دلدل میں دھنستے جارہے ہیں، آخر اس بڑھتی بے راہ روی کو کس کے کندھوں پر ڈالا جائے، کون ذمہ دار ہے؟ میں، آپ یہ معاشرہ یا پھر میڈیا؟ ذمہ دار کوئی بھی ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل تربیت انسان کی اپنے گھر سے ہوتی ہے، یہ کسی فردِ واحد کا کام نہیں، اس کا ذمہ دار کوئی بھی ہو مگر اس کے لیے سب کو مل کر قلمی اور عملی جہاد کرنا ہوگا، اور اس جہاد کے لیے کسی کو تو بارش کا پہلا قطرہ بننا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۳۲ سے آگے) (۲۱) ایک بزرگ نے اپنے متوسلین سے کہا کہ ایک کتے نے اصحاب کہف کا ساتھ دیا تو اس کتے کے ساتھ جنت کا وعدہ ہوا اور اُس کا تذکرہ قرآن میں ہوا۔ تم اپنے احباب کو اصحاب کہف کی مانند سمجھو اور اپنے آپ کو ان کا کتا تصور کرو پس آپ کو اپنے احباب کی وجہ سے جنت کا داخلہ نصیب ہوگا۔

(۲۲) انسان سجدے کی حالت میں اپنی پیشانی کو زمین پر لگا دیتا ہے۔ یہ جھکنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ فرمایا کہ انسان جتنا قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اتنا کسی دوسری حالت میں نہیں ہوتا۔ (جاری ہے)

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (تیسری قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

تواضع کے بارے میں صوفیاء کرام کے اقوال

فصل اوّل

اللہ تعالیٰ سے ملنے کا قریب راستہ

(۱) حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہ فرماتے ہیں، دوستو! میں نے اپنی جان کھپا دی اور کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جو کہ طے نہ کیا ہو اور صدقِ نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح راستہ معلوم نہ کر لیا ہو مگر سنت محمدی ﷺ پر عمل کرنے اور ذلّت وانکساری والوں کے اخلاق پر چلنے اور سراپا حیرت واحتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب نہیں پایا۔ صدیقِ اکبر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا کیونکہ عاجزی تو ہر شخص آسانی سے حاصل کرسکتا ہے کہ انسان تو سر سے پیر تک عاجز ہی ہے۔ اگر اور کوئی طریقہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا اس کے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی اور کمزوری کو سمجھ لینا یہی اللہ تعالیٰ کو پالینا ہے۔

جنت متواضعین کے لیے ہے

(۲) حضرت مولانا الیاس ؒ نے فرمایا: جنت متواضعین ہی کے لیے ہے۔ انسان میں اگر کبر کا کوئی حصہ ہے تو پہلے اس کو جہنم میں ڈال کر پھونکا جائے گا۔ جب خالص تواضع رہ جائے گی تب وہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ بہرحال کبر کے ساتھ کوئی آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔

حضرت سید احمد کبیر رفاعی ؒ نے فرمایا:

(۳) جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے نفس کو تواضع (وخاکساری) سکھلاتا ہے اور دنیا کے تعلقات کو اپنے سے الگ کر دیتا ہے اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے، اس کی یاد میں لگا رہتا ہے اور اللہ کے سوا کسی چیز کی رغبت اپنے دل میں نہیں رکھتا، سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر جما رہتا ہے اور اللہ کے لیے تواضع اختیار کر کے منبر اور تخت کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کو ان چیزوں کے حاصل کرنے کی قدرت بھی ہو۔

شیخ سعدی ؒ فرماتے ہیں

(۴) ازیں بر ملائک شرف داشتند که خود را به از سگ نه پنداشتند

اللہ والے اس سبب سے فرشتوں پر شرف وعزت میں بازی لے جاتے ہیں کہ خود کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

(۵) ولایت وقرب کو حق تعالیٰ نے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو خواہ کیسا ہی گنہگار ہو حقیر نہ جانو، کیا خبر کہ شاید یہی بندہ علمِ الٰہی میں ولی ہو اور اس کی ولایت کسی وقت بھی توبۂ صادقہ اور اتباع سنت کی صورت میں ظاہر ہو جائے۔

شیخ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں

(۶) بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ تو آسمان وزمین حجاب ہے نہ عرش بلکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑا حجاب تکبر وغرور (اور اس کا نفس) ہے یہ پردے درمیان سے اُٹھ جائیں تو بندہ خود بخود اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

شیخ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں

(۷) جب تک کوئی شخص روحانی امراض میں مبتلا ہو اس وقت تک وہ بندہ بڑی سے بڑی عبادت کر کے بھی اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ روحانی امراض میں سب سے زیادہ آٹھ مُضر امراض ہیں،

۱: تکبر ۲: عجب ۳: حب جاہ ۴: ریا ۵: حسد ۶: غیبت ۷: غصہ ۸: بدگمانی۔

ایک اللہ والے نے لکھا ہے

(۸) جو لوگ دوسروں کو کمتر سمجھتے ہیں وہ لوگ کبھی بھی قربِ خداوندی کو حاصل نہیں کر سکتے۔

ایک اور اللہ والے نے لکھا ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے بابا فریدؒ سے بطور الہام کے ارشاد فرمایا اے فرید! تو میرے دروازے پر عاجزی کی راہ سے آ سکتا ہے تکبر کی راہ سے نہیں آ سکتا۔

حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ نے فرمایا

(۱۰) تکبر کے ساتھ یہ راستہ ایک قدم بھی طے نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے تک

پہنچنے کے لیے عجز کے سوا کوئی اور دوسرا راستہ نہیں بنایا۔

(۱۲) امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات شریفہ میں ہے جب تک سالک اپنے آپ کو تمام دنیا سے بدتر نہ سمجھے اس وقت تک کوچۂ تصوف تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۳) ایک اللہ والے نے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (مرنے سے پہلے اپنے نفس کو ماردو) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا جان لو، مان لو، وہ موت جو موت معروف سے پہلے ہے اور جس کو اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں اس موت کو جو شخص اپنے پر قائم نہ کرلے اس وقت تک اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال (مشکل) ہے۔

حضرت بہاء الدّین نقشبندؒ نے فرمایا

(۱۴) اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ عاجزی وانکساری ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا

(۱۵) معیت الٰہیہ کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خود کو فنا نہ کردے

؎ میں کچھ نہیں میرا کچھ نہیں تجھ سے سب کچھ تیرا سب کچھ

(۱۶) ایک اللہ والے نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو کسی سے بھی افضل سمجھتا ہے گویا کہ اس کا باطن کدورتوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ معرفت الٰہیہ سے دور ہے۔

(۱۷) حضرت رفاعیؒ نے فرمایا اے لوگو! غور سے سن لو میں تمھیں قرب الٰہی کا ایک عظیم الشان نسخہ بتلاتا ہوں ''طریقہ یہی ہے کہ مخلوق کے سامنے تواضع اور خاکساری اختیار کرنا مگر اس کا منشاء کوئی دنیوی غرض نہ ہو بلکہ صرف رضائے الٰہی ہو۔''

(۱۸) تواضع یہ ہے کہ اپنے گھر سے باہر نکل کر جسے بھی دیکھے اُسے اپنے آپ سے بہتر سمجھے۔

(۱۹) ایک اللہ والے نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی کو جتلانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں مجھے اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے۔

(۲۰) جب بندہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ نالائق اور گنہگار ہوں اللہ تعالیٰ کی کسی عبادت کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو رہا ہے اور سر سے پیر تک میں قصوروار ہوں تو اُس وقت وہ اللہ کی نظر میں معزز اور بڑا ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

☆☆☆☆☆☆☆

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی　　　موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی　　　کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا　　　وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا　　　دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا　　　پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصَلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی　　　بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی　　　بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کی سرگرمیاں

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

پیشِ لفظ، نوائے درویش

طرب آشنائے خروش ہوتو نوائے محرمِ گوش ہو وہ سرود کیا جو چھپا ہوا ہے سکوتِ پردۂ ساز میں

بندہ کے شیخ و مربّی کے اصلاحی بیانات نوائے درویش کے نام سے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ کچھ بیانات تو حضرت حاجی شیر حسن صاحب کی بیاض سے لئے گئے ہیں۔ اس بیاض میں حاجی شیر حسن صاحب نے حضرت کے بیانات دوران بیان لکھے ہیں۔ ان کی زبان درست کرنے کے لئے، اور عبارت کو مربوط بنانے کے لیے پوری محنت کرنا پڑی ہے۔ کچھ بیانات کیسٹوں سے لیے گئے ہیں جنہیں بہت زیادہ محنت کر کے ثاقب علی خان صاحب نے کیسٹوں سے سن کر لکھا ہے۔ بندہ چونکہ غیر معروف آدمی ہے، اس لئے تقریظ حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب صدر مفتی و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سے لکھوائی۔ حضرت موصوف سلسلہء نقشبندیہ کے کامل شیخ ہیں۔ اب حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی برکات اور مفتی صاحب کی توجہات یکجا کتاب کی ہم نوا ہوگئی ہیں۔ امید ہے پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ oثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنِ oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّامِ.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ oثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّامِ.